انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دھلی

کے زیر اہتمام

دوروزہ قومی کانفرنس

بعنوان

مولانا مناظر احسن گیلانی: حیات وخدمات

بہ تاریخ: 1، 2/دسمبر 2018، بہ مقام: اے این سنہا انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ

آئی او ایس کا پیغامِ عمل

علماء، دانش وران، اسکالرز اور نوجوانوں کے نام

ڈاکٹر محمد منظور عالم

(چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی)

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز

162، جوگا بائی، مین روڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی-25

Tel.: 91-11-26981187, 26989253, 26987467

Fax.: 91-11-26981104

E-mail: ios.newdelhi@gmail.com

Website: www.iosworld.org

بسم اللہ الرحمان الرحیم

دنیا میں ہمیشہ سے دو طاقتیں کارفرما رہی ہیں۔ایک حق اور دوسری باطل۔یہ دونوں طاقتیں ہمیشہ اپنا کام کرتی رہیں۔کبھی حق نے باطل کو مغلوب کرلیا تو کبھی باطل نے حق پر اپنا قبضہ جمالیا۔ماضی میں بھی یہ کش مکش جاری تھی اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ یہی کہانی ہمارے ہاں بھی دہرائی گئی۔ایک طرف برصغیر میں صوفیائے کرام،مجاہدین عظام،مفسرین،محدثین،فقہاء اور ملی قائدین کے ذریعے اسلام کا پیغامِ امن وسلامتی پھیلتا جارہا تھا،تو دوسری طرف امن وسلامتی کو نیست ونابود کرنے کی خواہاں طاقتیں اپنا کام کررہی تھیں۔عہدِ وسطیٰ کے ہندستان کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ امن وامان قائم کرنے والے مسلم حکم رانوں کو تو مسلسل مخالفین کا سامنا کرنا پڑا ہی، وہ صوفیائے کرام جو اپنی اپنی خانقاہوں میں بیٹھ کر انسانیت کا درس دیتے تھے،انھیں بھی شر پسندوں کی شرارتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔اس کش مکش کا مقصد یہی تھا کہ ہندستان کو اس کی قدیم روایات سے دور کردیا جائے اور یہاں ایک ہی فکر غالب رہے۔

تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے مخالفین نے دو انداز کی مخالفانہ جدوجہد کی۔ایک تو علیٰ الاعلان میدان میں اترنے اور آمنے سامنے کھڑے ہوکر مقابلہ کرنے کا انداز تھا۔دوسرا انداز یہ رہا کہ خاموشی کے ساتھ پراسرار طریقے سے اپنی سازشیں جاری رکھی جائیں اور چپکے چپکے اسلام اور مسلمانوں کو پسپائی کے غار میں دھکیل دیا جائے۔یہ عجیب بات ہے کہ یہ دوسرا طریقہ ہی زیادہ اختیار کیا گیا اور دشمنوں کو اسی میں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔

دشمنانِ اسلام چاہے برصغیر میں ہوں، چاہے دنیا کے کسی اور خطے میں۔موجودہ دور میں ہوں یا ماضی کے کسی دور میں۔ہر جگہ اور ہر دور میں ان کا ایک بہت کارگر ہتھیار یہ رہا ہے کہ انھوں نے اسلامی شخصیات اور اسلامی تاریخ کو مسلمانوں اور پوری دنیا کی نظر میں مشکوک بنادیا۔ایسی پالیسی اختیار کی کہ پوری اسلامی تاریخ سوالات کے گھیرے میں آجائے۔اس کا ایک فائدہ انھیں یہ ہوا کہ دنیا اسلام کے قریب آنے سے بھاگنے لگی اور مسلمانوں کو اچھوت سمجھا جانے لگا۔انھوں نے دوسرا فائدہ یہ حاصل کیا کہ مسلمانوں کی نئی نسلوں کو ان کی اس تاریخ اور ان کے بے مثال علمی وثقافتی ورثے سے دور کردیا۔یہ دوسرا فائدہ ان کے لیے زیادہ مؤثر اور خوش کن ثابت ہوا۔کیوں کہ اس کے ذریعے وہ پورے عالم اسلام کے مستقبل کو تاریک کرنے کی جانب قدم بڑھانے لگے۔ماضی میں دشمنانِ اسلام نے اسی پالیسی کو اختیار کرکے بے شمار کامیابیاں حاصل کیں اور آج بھی دنیا بھر میں اس پالیسی کو پوری شدت کے ساتھ اختیار کیا جارہا ہے۔خود ہمارے ملک ہندستان میں پائے جانے والی فرقہ پرست طاقتیں اپنے عالمی آقاؤں سے اسی پالیسی کو سیکھ کر برتنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔مسلم تاریخ کو ظلم وتشدد کی تاریخ کے طور پر متعارف کرانا،نصابِ تعلیم میں تبدیلیاں کرنا،ماضی کے مسلم مشاہیر کو کٹہرے میں کھڑا کرنا،موجودہ مسلم اداروں اور تنظیموں کے خلاف میڈیا کے ذریعے منفی پروپیگنڈے کرنا اور مسلم شخصیات کی جانب منسوب شہروں اور ضلعوں کے نام تبدیل کرنا، یہ سب کچھ اسی مکروہ پالیسی کا نتیجہ ہے۔

گزشتہ چند برسوں میں عالم اسلام کے مسلمانوں اور خاص طور پر ہندستان کے مسلمانوں کو جن مسائل اور چیلنجوں کا سامنا رہا ہے، وہ ہر باشعور مسلمان کی نظر میں ہیں۔زمانہ بہت برق رفتاری کے ساتھ تبدیل ہورہا ہے۔یہ تبدیلی بھی پہلی مرتبہ واقع نہیں ہورہی ہے، بلکہ انسانیت کے ہر دور میں مسلسل بڑے بڑے انقلابات رونما ہوتے رہے ہیں۔یہ انقلابات سیاسی،سماجی،ثقافتی،اقتصادی اور معاشرتی،غرض یہ کہ تمام سطحوں پر واقع ہوئے ہیں۔ان انقلابات کے درمیان اپنی جگہ کا تعین کرنا اور قائدانہ مقام حاصل کرنا ہی اصل

کام ہے۔ ہمارے رفیق محترم اور معروف عرب مفکر ڈاکٹر عبدالحمید احمد ابوسلیمان نے زمانے کی تبدیلی اور اس تبدیلی کے درمیان کام کی نوعیت واضح کرتے ہوئے چند اہم فکری نکات کی طرف اشارہ کیا ہے:

''آج ہم جس زمانے میں رہ رہے ہیں، وہ بہت سی صورتوں میں گذشتہ صدیوں میں انسانی احوال سے بنیادی طور پر دور ہونے کی وجہ سے خاصا مختلف ہے۔ اس لیے اس امر کی ضرورت شدید ہوگئی ہے کہ عام طور پر فکر اسلامی کے مفاہیم اور خاص طور پر سیاسی تصورات پر گہرائی کے ساتھ نظر ثانی کی جائے۔ اس وجہ سے بھی کہ ٹی وی چینلوں اور انٹرنیٹ کے ذریعے مغربی فکری یلغار اور سائنس، ٹیکنالوجی، معیشت وسیاست کی سطح پر مغرب کا اثر ونفوذ بڑھتا جارہا ہے، جس کے منفی اثرات مسلمانوں اور خاص طور پر مسلم نوجوانوں پر مرتب ہورہے ہیں۔ چناں چہ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ نظر ثانی ہمہ گیر ہو اور جامع ہو اور ہر اس پہلو پر محیط ہو جس کا تعلق امت کے تہذیبی نقطۂ نظر اور اس کی زندگانی کے گذشتہ مناہج سے ہو۔ اس کے علاوہ ورثے میں ملی ہوئی قانون سازی کے مناہج سے بھی اس کا ربط ہونا ضروری ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہو کہ عہد رسالت، اس کے کردار اور انسانیت کی رہ نمائی کے تئیں اس کے کردار کو سمجھا جائے اور قرآنی تصورات کے اصول، اس کے مقاصد کو پھر سے اختیار کیا جائے۔ اس کے لیے دینی، علمی، اخلاقی، اجتماعی اور عمرانی شعور پروان چڑھایا جائے، تاکہ امت کا فکر، اس کی قانون سازی، اس کی تنظیمیں نت نئی انسانی تہذیبی تبدیلیوں اور ان کے امکانات وچیلنجز سے ہم آہنگ ہوسکیں۔ اس طور پر کہ فکری اجتہاد کے ذریعے اسلامی بنیادی ہدایات کی تعیین کی جائے، ان کے مقاصد کی وضاحت کی جائے، ان کے اسلوب کی تجدید کی جائے، تاکہ بنیادی تعلیمات وہدایات ثانوی اور ذیلی اور غیر بنیادی تعلیمات وہدایات کے ساتھ خلط ملط نہ ہوجائیں اور اسلوب، قانون سازی اور تنظیمیں ان حالات، رجحانات، شکلوں اور تعبیرات پر جوں کی توں باقی نہ رہ جائیں، جو ہمارے حالات اور ہمارے زمانے سے میل نہیں کھاتیں۔ تاکہ حالات اور زمانے کے گردوپیش اور اس کی تبدیلی کے باوجود قرآنی ہدایات، اس کے مقاصد اور فطری رجحانات کے مقاصد ہمیشہ پورے ہوتے رہیں۔''

ہمیں یہ بات سمجھنی ہوگی کہ دنیا میں ہونے والی یہ تبدیلیاں ہمیشہ علم کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔ وہ علم، جس کا مقصد انتشار اور ذاتی مفاد ہوتا ہے، اس کی بنیاد پر آنے والی تبدیلی دنیا کو انتشار اور افراتفری دیتی ہے۔ اس کے برعکس وہ علم، جس کی بنیاد انسانیت کی بھلائی اور عام انسانی مفاد ہوتا ہے، وہ ہمیشہ امن وآشتی اور سکون واطمینان کا باعث ہوتا ہے۔ اس علم کی روشنی میں کسی انسان کو حقیر نہیں سمجھا جاتا۔ وہ علم تمام انسانوں کو انسانی بنیادوں پر یکساں ہونے کا علم بردار ہوتا ہے۔ علم کی یہ اہمیت اور اس کی بنیاد پر رونما ہونے والے انقلابات کی حقیقت سمجھنا ہمارے لیے نہایت ضروری ہے۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک مرتبہ بڑی دردمندی کے ساتھ فرمایا تھا:

''افسوس! کہ تم حقیقی اور سچی بات کہنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ تم نمائش کے پجاری، شور ہنگامے کے بندے اور وقتی جذبات وانفجار وہیجان کی مخلوق ہو۔ تم میں نہ امتیاز ہے، نہ نظر۔ نہ تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو۔ تم جس قدر تیز دوڑ کر آتے ہو، اتنی ہی تیزی کے ساتھ فرار بھی ہوجاتے ہو۔''

سچ یہ ہے کہ یہ کلمات آج بھی ہمارے اوپر پوری طرح صادق آتے ہیں۔ امت کے عوام وخواص سب غفلت کا شکار ہیں۔ ہماری حرکات وسکنات سے ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ ہم ٹھوس بنیادوں پر حالات کی تبدیلی چاہتے ہیں۔ لیکن اب ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ اگر ہم نے اب بھی ہوش کے ناخن نہ لیے تو حالات اس مرحلے تک پہنچ جائیں گے، جس مرحلے کے بعد حالات کو کنٹرول کرنا ناممکن ہوگا۔ ہم عزم وہمت اور جرأت ومردانگی سے بھری ہوئی لازوال تاریخ رکھتے ہیں۔ ہماری تاریخ ہمیں دبنا اور پیچھے ہٹنا نہیں سکھاتی۔ حالات چاہے کیسے بھی ہوں، ہمارے بزرگوں نے کبھی پسپائی یا مایوسی اختیار نہیں کی، بلکہ امت کو ہمیشہ عزم وحوصلے کا لافانی

درس دیا۔اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم لوگ باعزت زندگی گزار رہے ہیں۔لہٰذا آج ایک بار پھر ہمیں اپنی تاریخ کو دہرانا ہوگا۔

موجودہ زمانے میں ہمارے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ہم اسلام کے ذریعے عظمت انسانیت کا کام انجام دیں۔ قرآن کریم کو مرکزی نقطہ قرار دے کر لاتعداد مصائب سے کراہتی ہوئی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے تیار ہوں۔میرا شدید احساس ہے کہ جس طرح ہندستان میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنا فرض ہے، اُسی طرح برادرانِ وطن کے ساتھ ہمدردی اور خیرخواہی کے روابط استوار کرنا لازمی ہے۔ یہ دونوں کام بیک وقت ہونے چاہئیں۔اگر ایسا نہ کیا گیا تو حالات عدم توازن کا شکار ہو جائیں گے اور ہم اسلام کے ذریعے وقارِ انسانیت کے تحفظ کا کام نہیں کرسکیں گے۔ملک کی فلاح و بہبود اور پوری انسانیت کی خیرخواہی کے بے شمار علمی، تحقیقی اور سماجی کام ایسے ہیں، جن میں ہم برادرانِ وطن کو ساتھ لے کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ان سے تاریخی، تہذیبی اور سماجی مسائل کے متعدد منصوبوں کے سلسلے میں روابط استوار کرسکتے ہیں۔اس طریقے پر کام کرنے سے ہمہ گیر انسانی معاشرے کی تعمیر کی راہ ہم وار ہوگی۔ وقارِ انسانیت اور عظمت انسانی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کی بقا اور تحفظ کے لیے کام کیا جائے۔قرآن کریم اور احادیث مبارکہ وقارِ انسانیت کی حفاظت کے پیغام سے بھرے ہوئے ہیں۔اگر ہم نے پوری انسانیت کو پیش نظر رکھ کر منصوبہ بندی نہ کی تو ہم دنیا میں نہ تو اسلام کا صحیح تعارف کرا سکیں گے اور نہ انسانیت کی آنے والی نسلوں کو امن واخوت کا پیغام دے سکیں گے۔ چناں چہ امت کو اپنے نظام اور تہذیبی فلسفے کے مزاج کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہوسکے گا، جب ہم اپنے نظام اور سماجی ڈھانچے کی تعمیر صحیح بنیادوں پر استوار کرسکیں گے۔ ہمارے علم میں یہ بات بھی رہنی چاہیے کہ ہم اپنے معاشرتی اور تہذیبی نظام کو کس طرح فعال بنا سکتے ہیں؟ تاکہ عالم انسانی کی فکری تاریخ میں ہونے والی تعمیری جدوجہد سے استفادے کی راہ ہم وار ہوسکے۔اس طرح ہم اپنے اسلامی سماجی نظام اور مختلف مراحل میں ہونے والے گراں قدر اجتہادات کو سمجھ کر انسانی تہذیب کی رہ نمائی کا کام بھی انجام دے سکیں گے۔

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز گزشتہ ۳۲ رسال سے اسی پیغام کو عام کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ہم بڑی خوشی ومسرت کے ساتھ اپنا یہ تجربہ تمام لوگوں تک پہنچانا چاہتے ہیں کہ انسٹی ٹیوٹ کی کام یابی میں ایک طرف اکابرین امت اور مسلم اسکالرز پیش پیش رہے، تو دوسری طرف صحیح اور مثبت سوچ رکھنے والے غیر مسلم بھائیوں نے بھی انسٹی ٹیوٹ کی کام یابی میں اہم رول ادا کیا ہے۔آئی او ایس کی کوشش اگرچہ بہت محدود اور مختصر وسائل پر مبنی ہے، اس کے باوجود امت اور ملک کے خواص کی جانب سے اسے زبردست پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ آئی او ایس کا مطمح نظر کبھی بھی کوئی ایک قوم یا قبیلہ نہیں رہا، بلکہ اس نے وسیع ترین انسانی بنیادوں پر کام کرنے کو اپنا مشن بنایا۔اس مشن پر وہ آج بھی قائم ہے اور ان شاءاللہ قائم رہے گا۔

ہم چاہتے ہیں کہ پورے ملک میں کام کا یہ طرز عام کیا جائے۔اس لیے کہ جذباتیت دشمن کو تقویت پہنچاتی ہے، جب کہ فراست اسے کم زور کرتی ہے۔اسی لیے حدیث نبوی میں مومن کی فراست کو نورِ الٰہی کا عکس قرار دیا گیا ہے۔لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مومنانہ فراست سے کام لیں، حالات کو سمجھیں، زمانے کی نبض ٹٹولیں اور وقتی جذباتیت سے بچتے ہوئے علمی وتحقیقی بنیادوں پر انسانیت کی سربلندی اور امت کی نشأۃ ثانیہ کا فریضہ انجام دیں۔تمام بڑوں سے میری گزارش ہے کہ وہ انسٹی ٹیوٹ کے اس پیغام پر غور کرکے آنے والی نسلوں کو علم برائے فلاحِ انسانیت کا تصور دینے کی کوشش کریں۔اسی کے ساتھ میں اپنے نوجوانوں کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق انسٹی ٹیوٹ کے علمی وفکری کارواں میں تعاون کے لیے آگے آئیں۔انسٹی ٹیوٹ کے دروازے کل بھی ہر بڑے چھوٹے کے لیے کھلے ہوئے تھے اور آج بھی کھلے ہوئے ہیں۔

❑ ❑ ❑